محمد جعفر شاہ پھلواروی

حج کا فلسفہ

اسلام محض پوجا پاٹ کا مذہب نہیں، یہ بیک وقت روحانی تزکیہ بھی ہے اور سیاسی تحریک بھی۔ اخلاق و معاملات کی اصلاح بھی ہے، اور معاشرے کی تنظیم بھی۔ ان ساری باتوں کے مجموعے کے لئے ایک اصطلاحی لفظ دین ہے جس کا آسان ترجمہ نظامِ زندگی ہے۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کی تمام چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی جزئیات لفظ دین میں آجاتی ہیں۔ اس کا ہر جز دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتا ہے کہ اسے جدا کرنے کے بعد اس کی ہستی بے معنی سی رہ جاتی ہے۔ مثلاً عبادات کو دیکھئے اسے اگر عقائد، اخلاق اور معاملات سے الگ کر لیجئے تو عبادات کوئی جاندار چیز نہیں رہ جاتیں۔ حج بلاشبہ ایک عبادت ہے لیکن اسے زندگی کے دوسرے مسائل سے الگ نہیں کیا جا سکتا یعنی یہ محض ایک رسم پرستش کو جا پاٹ اور یاترا نہیں۔ یہ بیک وقت درسِ عشق بھی ہے اور رسم عبادت بھی، ایثار، جفاکشی اور نفس کشی کی مشق بھی ہے اور مساوات کی بنیاد پر ایک عالمگیر تنظیم بھی۔ یہ ساری باتیں حج کے فلسفے میں داخل و شامل ہیں۔ آیئے ایک سرسری نظر ہر ایک پر ڈال لیں۔

دُنیا میں ہر ایک کام کے پس پردہ یا تو عقل ہوتی ہے یا عشق۔ عقل کا کام ہے کسی بات کو عمدگی، حکمت اور معقولیت سے پیش کرنا اور عشق کا وظیفہ ہے اس کے لئے وقف ہو جانا۔ عقل یہ تو بتا سکتی ہے کہ یہ چیز بڑی نفیس ہے اور حاصل کرنے کے قابل ہے لیکن اس کے لئے دھن اور لگن پیدا کر کے کوئی اقدام کرا دینا عقل کا کام نہیں بلکہ عشق کا کام ہے۔ اور اکثر اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ عقل جہاں ایک قابلِ حصول شئے کی طرف متوجہ کرتی ہے وہاں اس کے حصول میں روک بھی بن جاتی ہے۔ وہ طرح طرح کے خطرات کو سامنے لاتی ہے اور اس سے گریز کرنے کے لئے تمام طرح کے حیلے بہانے تراش کر توجیہات و تاویلات کا انبار لگا دیتی ہے۔ یہ ہے عقل حیلہ گر لیکن عشق کی کارفرمائیاں عجیب ہیں۔ یہ توجیہات کے ہر سنگ راہ کو عبور کر لیتا ہے اور عقلی تاویلات کے تمام خارزاروں کو روند ڈالتا ہے۔ عقل ڈرتی رہتی ہے اور عشق آگے بڑھ جاتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

گویا یوں کہئے کہ عقل محض روشن مگر بے ہمت ہوتی ہے اور عشق محض اندھا مگر باہمت ہوتا ہے۔ ناقص دونوں ہی ہیں۔ اس لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ دونوں ہی کو اختیار کیا جائے لیکن ایسے حسین امتزاج کے ساتھ کہ دونوں اپنے صحیح مقام پر رہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا سبب ہوں اور دونوں سے صحیح کام لیا جا سکے۔ عقل و عشق کے اسی حسین اور

متناسب امتزاج کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلام نہ عقل کو بے ہمت چھوڑتا ہے نہ عشق کو اندھا بنا کر رکھتا ہے۔ وہ عقل میں ہمت اور عشق میں روشنی پیدا کرتا ہے۔ پھر دونوں کو ملا کر ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے، قرآن کا ایک ایک ورق ادھر متوجہ کرتا ہے: افلا تعقلون، افلا تبصرون، وانتم تشعرون، افلا یفقہون وغیرہ سے قرآن بھرا پڑا ہے اور وہ ہر ہر مرحلے پر عقل و فہم کو دعوت دیتا ہے لیکن وہ نری عقل نہیں پیدا کرنا چاہتا اس لئے کہ:

عقل ز ابلیس است و عشق از آدم است

تنہا عقل سے سارے کام نہیں چل سکتے۔ یہ تو ایک ابتدائی قدم ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے جس عزم پختہ اور ہمت مردانہ کی ضرورت ہے، اس کی روح صرف عشق ہے۔ اس لئے اسلام نے عقل کے ساتھ عشق کو بھی لازم کر دیا ہے۔ اسی عشق کا ایک تعلیمی مظاہرہ ہے حج۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حج میں عقل کا کہیں نام و نشان نہیں۔ ضرور ہے۔ مگر بہ نسبت دوسری عبادات و مناسک کے یہاں عقل پر عناصر عشق بہت غالب ہیں۔ ننگے سر ننگے پاؤں ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں ناخن اور بال بڑھے ہوئے ہیں۔ کوئے مطلوب کے گرد دیوانہ وار چکر کاٹ رہے ہیں۔ میدان میں جا کر دیوانوں کی طرح کنکریاں چن رہے ہیں۔ بے آب و گیاہ صحرا میں پڑے ہوئے ہیں۔ دو پہاڑیوں کے درمیان ادھر سے ادھر دوڑ بھاگ کر رہے ہیں — فرمائیے کیا یہ حرکتیں عقل سے کوئی مطابقت رکھتی ہیں؟ کیا عقل ان باتوں پر تحسین کے پھول برسائے گی؟ پھر آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟ دیوانگی و شیفتگی اور جنون و بیخودی کے یہ سارے مظاہرے صرف عشق کے درس ہیں۔ وہ عشق جس کے بغیر عقل محض ابلیس کی طرح بے یار و مددگار رہتی ہے۔ اور جسے الگ کرنے کے بعد عبادات کی ساری رسمیں بے جان، خشک اور بے مزہ ہو جاتی ہیں۔ نماز ہو یا زکوٰۃ یا روزہ عشق و جنون کا ایسا روح پرور مظاہرہ کسی میں بھی نہیں ہوتا، اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ایمان کی جان اور عبادت کی روح وہی جذباتی عنصر ہے جسے عشق کہتے ہیں اور جس کا عملی درس ہے حج، اور اس کے سارے مناسک۔ عقل تو صرف قانون دیتی ہے شستگی و حسن پیدا کرتی ہے لیکن عشق اس جذبے کا نام ہے جو قانون سے بہت بالاتر رہ کر انسان سے وفاداری و اطاعت کراتا ہے۔ اگر زندگی اور اس کے نظام سے عنصر عشق کو الگ کر دیجیے تو انسانیت، اخلاقی بلندی، روحانی بالیدگی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ سوچئے آپ اپنے بال بچوں کی خدمت کس جذبے سے کرتے ہیں؟ یہ تندہی و محنت اور مخلصانہ قدمگزاری کون سا قانون کراتا ہے؟ یہ صرف محبت کے لطف اور پرکیف جذبات ہیں جو اس راہ کی ہر تکلیف میں بھی راحت کی ایک چاشنی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی حال عبادت اور طاعت الٰہی کا بھی ہے۔ یہاں صرف حکم اور قانون کافی نہیں ہوتا بلکہ ایک جذبہ اس سے بالاتر بھی ہے، اسی کا نام ہے عشق، اور اسی کی مشق اور مظاہرے کا نام ہے حج۔

اس درس عشق کے ساتھ ساتھ حج میں کچھ اور عناصر بھی ہیں جن کا تعلق عقل سے ہے۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ

اسلام عقل و عشق کے ایک حسین امتزاج کا نام ہے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ حج بیک آن درسِ عشق بھی ہے، رسمِ عبادت بھی، ایثار بھی ہے اور ایک عالمگیر تنظیم بھی۔ آئیے مختصراً ان چیزوں کو بھی دیکھتے چلیں:

اسلام بیک وقت انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی یعنی وہ ایک طرف تو بندوں کا ذاتی رابطہ خدا سے قوی کرتا ہے اور دوسری جانب وہ بندوں کے فیمابینی اور باہمی روابط کو استوار کرتا ہے۔ اس اجتماعیت کے لئے آغاز تو ایک مختصر سے معاشرے سے ہوتا ہے لیکن آخر کار پھیل کر ایک اتنا وسیع دائرہ بن جاتا ہے کہ سارے کرۂ ارض کی انسانی برادری کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ نمازِ پنجگانہ میں ایک محلہ یکجا ہوتا ہے، جمعے میں ایک شہر اکٹھا ہو جاتا ہے اور عیدین میں شہر اور مضافاتِ شہر کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اجتماعیت کا یہ دائرہ اس سے آگے نہیں بڑھتا لیکن حج ایک ایسی عبادت ہے جو سارے کرۂ ارض کے نمائندوں کو ایک مرکز پر کھینچ لیتا ہے! در انسانی برادری کا یہ اجتماع ایسا دلفریب اور روح پرور نظارہ ہوتا ہے جس کی کوئی نظیر دُنیا کی کسی کانفرنس میں نہیں مل سکتی۔ ہر نسل سے منسلک ہونے والے، ہر وطن کے رہنے والے، ہر پیشے کو اختیار کرنے والے، ہر زبان کے بولنے والے، ہر رنگ کے آدم زاد یہاں سمٹ کر آ جاتے ہیں۔ وطن، نسل، رنگ، زبان اور پیشے کے سارے اختلافات اپنی حد بندیوں کو توڑ کر یہاں ایک وحدت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وحدت بھی ایسی جو بلند و پست، شاہ و گدا، امیر و فقیر اور ایاز و محمود کے سارے امتیازات کو پاؤں تلے روند کر رکھ دے۔ سب کے جسم پر ایک جیسا لباس کہ سب مل کر کفن بدوش مجاہدوں کا ایک قافلہ معلوم ہوں، طواف، رمی، قربانی، سعی وغیرہ کی سب رسموں میں ایسے برابر کے شریک، کہ سب کے سب ایک ہی خاندان کے افراد نظر آئیں۔ سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ لبیک اللّٰھم لبیک، گویا ساری امت ایک ہی شمع کا پروانہ ہے۔ مساوات، ہم آہنگی، مواخات، سادگی، بے تکلفی کے یہ نظارے آپ حج کے سوا اور کہاں دیکھ سکتے ہیں؟

اس موقعے پر رفث، فسوق اور جدال یعنی بیہودہ گفتگو، غیر ثقہ باتیں اور جھگڑے سب از روئے قرآن ممنوع ہیں۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ گویا یہ اخلاقی تربیت کا بھی ایک عالمگیر مرکز ہے جہاں ہر آنے والے کو اپنی زبان، دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں سب کو قابو میں رکھنے کی تلقین ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے جب دنیا کے ہر ہر گوشے سے آنے والے اس احتیاط اس تقوے اور اس جذبے کے ساتھ آئیں گے تو کیا اس بین الاقوامی اجتماع سے کوئی سیاسی، ملکی اور قومی فائدہ بھی ساتھ ساتھ نہ ہوتا ہوگا؟ اسلام کی تعلیمات کا انداز یہ نہیں کہ محض روحانی فائدوں کے لئے الگ اجتماع ہو اور صرف سیاسی مقاصد کے لئے علیحدہ جلسے ہوں۔ اسلام تو زندگی کے سارے عناصر کو ایک ساتھ لے کر چلتا ہے، اخلاقی، روحانی، ملکی، سیاسی غرض سارے مقاصد باہم پیوستہ ہیں۔ حج کا اجتماع صرف ذکر و فکر اور مراقبہ و مجاہدہ کی محفل نہیں، یہ ایک عالمگیر بین الملّلی کانفرنس بھی ہے، تاکہ اقطارِ عالم کے بندگانِ خدا سر جوڑ کر بیٹھیں، باہم تبادلۂ خیالات کریں، اپنے تعلقات استوار کریں، اپنی علمی، صنعتی، تجارتی و سیاسی ترقیوں کے

منصوبے تیار کریں اور انسانیت کی بنیادوں پر دُنیا کے اُلجھے ہوئے مسائل کا حل سوچیں، بگڑوں کا سہارا بنیں اور ظالموں کا ہاتھ پکڑیں، امن اور عدل کا نظام سارے جہان میں قائم کرکے امامتِ اقوام کا حق ادا کریں۔ یہی وہ بلند مقاصد ہیں جن کو بروئے کار لانے کے لئے کعبۃ اللہ کو مرکزِ عالم، قیاماً للناس، مثابۃً للناس اور مقامِ امن بتایا گیا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ :

نماز و روزہ و قربانی و حج   یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

مطبوعاتِ بزمِ اقبال

مجلّۂ اقبال۔ مدیر۔ ایم۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار
سہ ماہی اشاعت۔ دو انگریزی اور دو اردو شماروں میں۔ قیمت سالانہ دس روپے۔ صرف اردو یا انگریزی شمارے پانچ روپے۔

میٹافزکس آف پرشیا۔ (انگریزی)	مصنفہ علامہ اقبالؒ	۵۔۔۰۔۰
امج آف دی وسٹ ان اقبال	مصنفہ مظہر الدین صدیقی صاحب	۲۔۔۰۔۰
ذکرِ اقبالؒ	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵۔۔۰۔۰
اقبال اور مُلّا	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰۔۔۱۲۔۰
مکاتیبِ اقبالؒ	بنام خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم	۱۔۔۴۔۰
تقاریرِ یومِ اقبالؒ	سنہ ۱۹۵۴ء	۱۔۔۴۔۰
علامہ اقبالؒ	مترجمہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم	۱۔۔۸۔۰

ملنے کا پتہ :-

سکرٹری بزمِ اقبال و مجلس ترقیٔ ادب ۲/۱ نرسنگھ داس گارڈن۔ کلب روڈ۔ لاہور